ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

رشید احمد صدیقی کی تحریروں پر فرانسیسی ناول نگار "وکٹر ہیوگو" کے اثرات

نزہت بشیر

اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

محمد وقار عظیم

ریسرچ سکالر، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس

Abstract.

Every writer has the impacts on his writings, of its tradition as well the literature he study. He narrates the ideas and thoughts in his literary works which he gets from his society. Rasheed Ahmed Siddiqui is a renowned name of Urdu literature. He has gone through deeply in study of Urdu as well western literature. He has great influence of western writers. This article describes the impacts of French novelist "Victor Hugo" on the writings of Rasheed Ahmed Siddiqui. Articles covers many examples from the writings of both writers.

Key Words: Traditions, literature, French writings, Influence

ادب کسی بھی معاشرے کا ترجمان ہوتا ہے۔ ادب کا مطالعہ کسی بھی قوم کا ماضی اور مستقبل اپنے اندر سموئے ہوتا ہے۔ ادیب چونکہ کسی بھی معاشرے کا سب سے حساس فرد ہوتا ہے وہ جہاں معاشرے کے مثبت پہلوؤں سے متاثر ہو کر تعمیری ادب کا ذریعہ بنتا ہے وہیں منفی معاشرتی سرگرمیوں کو اجاگر کرتے ہوئے ان کے خلاف جذبہ نفرین پیدا کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ کسی بھی قوم یا معاشرے کا مصلح بن کر ابھرتا ہے۔ ادیب اپنے ادب پارے کے لیے خیالات بھی اپنے گردوپیش سے ہی لیتا ہے۔ اس کا رجحان جس پہلو کی جانب زیادہ ہو گا وہی اثرات اس کی تحریروں میں واضح ہوں گے۔ کلاسیکی ادیب ہوں یا دورِ حاضر کے مصنفین ان کی دلچسپی کے پہلو ان کی تحریروں میں در آتے ہیں، ادیب نے جس تہذیب اور ادب کا مطالعہ کیا ہو اس کے اثرات بھی اس کی تصانیف میں ملتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی اردو ادب کا ایسا نام ہے جس نے نہ صرف اپنی تاریخ اور تہذیب وثقافت کا بھرپور مطالعہ کیا اور اپنی تحریروں میں ان کے اثرات پیش کیے بلکہ انھوں نے مغربی ادب کا بھی سیر حاصل مطالعہ کیا۔ مقالہ ہذا میں ان کی تحریروں پر فرانسیسی ادب کے اثرات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

رشید احمد صدیقی کی نثر پر فرانسیسی ناول نگار "وکٹر ہیوگو" کے اثرات کا جائزہ لینے سے قبل فرانسیسی ادب کی تاریخ کا سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ قاری کو مختلف ادوار میں فرانس کی تہذیب وثقافت کے بدلتے ہوئے رجحانات کو سمجھنے کا موقع ملے۔ فرانسیسی دانشوروں کی کوشش رہی کہ وہ اپنے ادب کے مخصوص نکات کو انگریزی ذہن اور تہذیب کے دائرہ سے آزاد کر کے خود فرانسیسی دانشوری اور تہذیب کی روشنی میں اعتماد سے پیش کریں۔ فرانسیسی فکر کے ادیبوں نے اس حوالے سے کامیاب کوششیں کی ہیں۔

ایک زندہ زبان کے ادب کا مطالعہ ہماری ملاقات اس معاشرے کے زندہ انسانوں سے کرواتا ہے لہذا قاری اس قوم کی معاشرتی زندگی میں خوشی، غم، کامیابی اور ناکامی کے شریک بن جاتا ہے۔ ادیب انسانی حالت کے بیان میں جب واقعات کے بروئے کار لانے والے انسان کے نجی حالات اور معاشرے کے خارجی امور کا سراغ لگاتا ہے تو اس کے سامنے خود اپنی زندگی کے مسائل بے نقاب ہوتے جاتے ہیں۔ ہر ترقی یافتہ زبان کے مانند فرانسیسی زبان و ادب بھی اپنی قومی تہذیب اور دانشوری کی نمائندہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور متنوع زندگی سے براہ راست مراسلت کے ذریعے اس زبان کے ادب میں مختلف علوم کی دولت جمع ہوتی گئی یوں اس میں فکری و نظریاتی رجحانات کی ادائیگی کی سکت اور اہلیت آگئی۔ اس حوالے سے فاخر حسین لکھتے ہیں:

> "تاریخی اعتبار سے ہر زندہ قوم کبھی تو اپنے تہذیبی اداروں اور نظریات کے فروغ میں منہمک نظر آتی ہے اور کبھی اس کے عام انسان، دانشور، ادیب اور فنکار ان پر سوالیہ نشان عائد کرتے ہیں۔ ان میں جدید مسائل شامل کر کے نئے اور جدید جوابات حاصل کرنے کی جستجو کرتے ہیں ان دونوں صورتوں میں ایک ملک و قوم کی تہذیب، دانشوری اور اس کے فنون لطیفہ اپنے حال اور اس کی طرزِ فکر کے ساتھ مکمل طور پر جڑے ہوتے ہیں اسی طرح ہر قوم مخصوص تاریخی راہوں سے نکل کر اپنی تہذیبی سمت مقرر کرتی ہے۔"(۱)

فرانسیسی قوم کسی ایک نسل یا گروہ پر مشتمل نہیں ہے بلکہ مختلف ادوار میں مختلف ممالک سے لوگ یہاں آکر بستے گئے۔ یہاں کے باشندوں کی اکثریت مذہبی طور پر عیسائیت کی پیروکار ہے مگر زبان فرانسیسی تھی۔ اس زبان کو رفتہ رفتہ دانشوروں، مذہبی افراد، جوانمرد بہادر اور بیگمات نے قبول کیا۔ یورپ کے مختلف علاقوں کے روساء نے اسی زبان

میں علم حاصل کیا، یوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے بین الاقوامی زبان تسلیم کر لیا گیا اس حوالے سے یوسف حسین خان لکھتے ہیں:

> ”فرانس میں ادبی روایت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان روایات کے علم برداروں کو قومی قائدوں کا مرتبہ دیا جاتا ہے ادبی فنکار چاہے وہ کتنا ہی مشکل پسند کیوں نہ اور چاہے وہ کتنا ہی خواص تک کیوں نہ محدود رہے اس کی عظمت کو عام طور پر مانا جاتا ہے اور اسی کی ذات پر فخر وناز کیا جاتا ہے۔“(۲)

۱۱۸۷ء میں تیسری صلیبی جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ صلاح الدین ایوبی کے یروشلم پر قبضہ کرنے پر فلپ اوّل اور انگلستان کے بادشاہ رچرڈ اول اس سے جنگ کے لیے گئے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ فلپ اوّل نے فتح کے بعد یہاں باقاعدہ آئین قائم کیا۔ مزید اس نے پاغی میں اپنے محل اور بازار کی تعمیر کے ساتھ نوترے دام گرجے کی عمارت مکمل کروائی۔ یہ پاغی یونیورسٹی سوابون کا مربی بھی ہے۔ اس بادشاہ کے بعد کئی سالوں تک جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر انگریز پورے فرانس پر قابض ہو گئے تو بادشاہ کے بعد اہل فرانس کی رہبری کا فریضہ لورین کے کسان کی سترہ سالہ بیٹی نے اٹھایا۔ یہ پڑھی لکھی نہیں تھی مگر عبادت گزار تھی۔ "ژان دارک "عقیدت، امید اور محبت کا جیتا جاگتا انسانی مجسمہ تھی۔ اس کے روحانی جوش وخروش کی کہانیاں لوگ متعدد بار بیان کر چکے ہیں جن میں شیکسپیئر بھی ہے۔ فرانس میں نویں صدی میں ہمیں زبان کا دائرہ پھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس عہد کے ادب کے کئی متنوع اصناف اور خصائل ہیں۔ سب سے پہلے "رولاں کے گیت" جن میں بادشاہوں کی بہادری اور عام انسانوں کی نیکیوں کا بیان ہوتا ہے۔

بارہویں صدی میں عشق ومحبت کے موضوع پر ایک قصہ بھی ملتا ہے۔ باقاعدہ نثر کا آغاز "ویل ہاریں" سے ہوتا ہے یہ چوتھی صلیبی جنگ میں فوج کا مارشل تھا۔ اس جنگ میں اس نے اپنے ذاتی مشاہدات کا روزنامچہ تحریر کیا، جس میں بہادری، مذہب جرات، عزت، حریت اور میدان جنگ کی حکمت عملی بیان کرنے پر غور وفکر ملتا ہے۔ ژوان ویل گونے" سین لوئی" کے ساتھ ساتویں صلیبی جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ کے بعد اس نے سین لوئی کی تاریخ لکھی جو عام وخواص میں بہت مقبول ہوئی۔

سولہویں صدی میں نشاۃ الثانیہ کی تحریک یورپ کے دیگر ممالک کی مانند فرانس پر چھا گئی 1453ء میں قسطنطنیہ پر ترکوں کے قبضہ کے بعد یونانی تہذیب کے طلبا، اطالیہ میں آ کر پناہ گزیں ہو گئے تھے جس کے بعد یونانی اور رومی تہذیبی امور کو از سر نو دریافت کرنے کی جستجو کا آغاز ہوتا ہے جسے نشاۃ ثانیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ ادب میں نشاۃ ثانیہ سے مراد پرانے ادب کو تازہ کرنا اور ادب میں انسانی جذبات کی آمیزش کرنا ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس تحریک نے یورپ کے مختلف مقامات میں قومیت اور وہاں کے باشندوں کی انفرادیت کو تسلیم کرانے کو شکل اختیار کی۔ اس سے یہ یقین مستحکم ہوا کہ انسانوں کے لیے اپنی انفرادی اقدار کی ایک حیثیت ہے۔ اس طرح ادب اور فنون لطیفہ میں اس کے نمایاں رجحانات انسان دوستی کے جذبات اور فنکار کی انفرادیت کا اظہار ہیں۔ اس دور کے ادب اور ادیبوں میں نشاۃ ثانیہ کی اقدار کی بھرپور عکاسی موجود ہے اور اس میں انسان دوستی، تحصیل علم، فنون لطیفہ اور انسان کی انفرادیت کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے اہم نمونے مارگریت، رابیلے اور ژان کالوان کے ہاں نظر آتے ہیں جو اس نے اطالوی ادیب بوکاچیو کے اسلوب میں لکھی۔ اس میں رومان اور حقیقت کا امتزاج ہے۔ جس نے فرانسیسی ناول نگاری میں اس کو فروغ دیا۔ یوسف حسین لکھتے ہیں:

> ”اہل فرانس میں ایک طرف تو روایت پرستی کا رجحان ہے اور دوسری جانب بغاوت کا جذبہ انہیں اپنی طرف کھینچتا ہے یہ جذبہ جب زور پر آتا ہے تو صرف ادب ہی نہیں بلکہ سیاست اور معیشت کو بھی اپنی زد میں لے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ فرانس میں برابر نئے نئے ادبی تجربے کرنے میں تامل نہیں ہوتا۔“(۳)

ژان کالوان کا شمار فرانسیسی ادب کے اولین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ اس کی فکر پر عیسائی تصورات کی حکمرانی ہے۔ زبان کی نشوونما میں ژان نے بنیادی کردار ادا کیا۔

اس دوران میں فرانسیسی ادب میں پلی اید کی تحریک کا آغاز ہوا۔ دی بیلے نے اس امر کا اعلان کیا کہ فرانسیسی ادب میں ترقی کے تین راستے ہیں۔ اس میں یونانی، لاطینی اور قدیم فرانسیسی الفاظ بھی شامل کیے جائیں۔ ثمیل وے مون تین اگرچہ میونسپلٹی کے اہم عہدہ پر فائز تھے۔ لیکن انھوں نے اپنی زندگی مطالعہ میں گزاری اور ان کے مضامین کی تین جلدیں بھی شائع ہوئیں۔ ان مضامین کے موضوعات زندگی سے متعلق متنوع امور ہیں۔ جنھیں مصنف اپنی نظر اور بصیرت سے دیکھ کر ان پر رائے پیش کرتا ہے ان کے ہاں انسان دوستی، رواداری، عالمگیر انسانیت اور عالم فطرت سے انسانی رشتوں کو پیش کر کے فرانسیسی کلاسیکیت کو ہمہ گیر بناتے ہیں۔ ان مضامین کا ترجمہ ۱۶۰۳ء میں انگریزی میں ہوا۔ جس کی ایک جلد شیکسپیئر کے پاس بھی تھی۔ اس لیے ہمیں شیکسپیئر کے ہاں یہ اثرات بھی ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی اس دور کے فرانسیسی زاویہ نظر کا رجحان ملتا ہے۔

اہل فرانس انقلاب فرانس سے قبل بھی طاقتور، خوش حال، فسادی، خائف، جانباز اور مرد میدان کی حیثیت سے یورپ اور اس کے باہر کے ممالک میں مشہور تھے اور ایک بہترین قوم تسلیم کی جاتی تھی فرانس کی مجموعی تہذیب پر ہسپانیہ کی اس تہذیب کا بھی اثر تھا۔ جس کو اہل عرب اپنے دور حکومت میں ترقی دے چکے تھے۔ آج بھی فرانس نظریات، خطابت، بحث ومباحثہ اور نقد ونظر کی توسیع میں منہمک ہے۔ جو ماضی میں اس تہذیب کو توانا اور شاندار بناتا رہا ہے گویا یہ سلسلہ آج تک برقرار ہے نظریہ فرانس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ کون ومکان کا مرکز معاشرہ کا ایک عام فرد ہے۔ یہ نیک طبع ہونے کے ساتھ ساتھ اس جوہر کا حامل ہے کہ اگر اسے صحیح تعلیم دی جائے اور اس کے معاشرے کے ادارے درست ہو

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ں تو وہ ترقی کے بہترین مراحل طے کرلیتا ہے۔

اہل فرانس نے ہمیشہ اپنی تہذیب اور دانشوری کو بامقصد بنا کر اس کے ساتھ اپنے ادب کو بامقصد بنایا ہے۔ یہی ادبی نظریہ فرانسیسی ادیبوں کی پہچان ہے۔ محمد حسن عسکری نے "وقت کی راگنی" میں انگریزی اور جدید فرانسیسی ادب کے حوالے سے بڑی دلچسپ بات بیاں کی ہے:

"آج کل مغربی جرمنی اور اٹلی دونوں جگہ کا ادب وہاں پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے جہاں فرانسیسی ادب آج سے تیس سال پہلے تھا چنانچہ اگر ہم اس جائزے میں اپنی توجہ فرانسیسی ادب اور انگریزی ادب تک محدود کرلیں تو یہ باقی دنیا کے ساتھ کوئی ایسی بڑی زیادتی نہیں ہوگی۔ یہ دونوں ادب نمونے کے طور پر تو بہر حال استعمال کیے ہی جاسکتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے آج کل کے سب نہ سہی تو چند رجحانات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے پھر دور حاضر کی منطق جس علاقے میں شروع ہوئی ہے اس کے انجام کا مطالعہ بھی اسی علاقے کے حساب سے بہتر ہوگا۔ ہمیں دور حاضر کے سارے پہلوؤں کا نہیں صرف ادب کا جائزہ لینا ہے۔"(۴)

مغربی ادب میں انسان کی اہمیت مادیت جیسی ہے چونکہ وہاں مادیت پرستی کا فلسفہ ہی پروان چڑھا ہے اس لیے وہاں انسان بھی گوشت پوست والا اور بھوک والا ہی دکھائی دیتا ہے۔ جذبات، احساسات، اخلاقیات اور مذہب صرف نام نہاد ہی ہیں۔ بیسویں صدی میں مغربی ادب جس مصنف کے خیالات کی زد میں رہا وہ "آندرے ژید" ہے۔ خصوصاً اس کی کتاب "زمینی غذا" جس نے مغربی ادیبوں کی تین چار نسلوں کی ذہنی آبیاری کی ہے۔ جس کے آغاز میں ہی اپنا وطن، اپنا نظریہ غرضیکہ ہر چیز چھوڑنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ مغربی فلسفہ چونکہ تجرباتی عقل کی پیداوار ہے اس لیے ان کا انداز بیان علامتی نہیں۔ مغربی فلسفہ کا امام "کیر کے گور" کے ہاں بھی نظریہ سازی ہی ملتی ہے جو سراسر مادیت کی پیداوار ہے۔

اٹھارہویں صدی کا ادب روایت سے انحراف، سائنسی، آزاد خیال، کشادہ نظر اور امور معاشرت سے متعلق ہے۔ ماری دیو نے اپنے ناولوں میں زندگی کو حقیقت نگاری کے روپ میں پیش کیا اور تاریخی اعتبار سے پہلی مرتبہ کرداروں کے دل اور ان کے خیالات کی تشریح کی۔ مون تسکیو نے اپنی ادبی تحریروں میں "کونٹ" کا شوخ رنگ استعمال کیا اسی اسلوب میں انھوں نے بعض لوگوں کے شخصیہ بھی لکھے۔ ۱۷۲۱ء میں ان کی کتاب "دی پرشین لیٹرس" شائع ہوئی جس میں دو ایرانی آکر دربار اور معاشرہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ وہ ادبی پس منظر ہے جو فرانسیسی ادب نے ابتدا میں طے کیا۔

وکٹر ہیوگو فرانس کا ایک مشہور مصنف اور سیاست دان تھا جس نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ ادب کے نام کیا وہ انیسویں صدی کا جانا پہچانا ناول نگار اور ڈرامہ نویس تھا۔ اس نے ادب کو نئی صورت اور نئی جہت سے آشنا کیا اور ادب کو نئے خیالات عطا کیے۔ رشید احمد صدیقی اس کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے رشید احمد صدیقی فرانسیسی مصنف اور ناول نگار وکٹر ہیوگو کے بارے میں نہ صرف بیان کرتے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے آپ کو کبڑا عاشق بھی کہا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس وقت کچھ ایسا محسوس کر رہا ہوں جیسے میرا حال victor hugo کے مشہور ناول The Hunch Back of Notre-Dame کے عجیب الخلقت کریہہ منظر کبڑے Quasimado کا سا ہو۔ جو مدت العمر نوترے دام کے مشہور گرجے کا گھنٹہ بجانے پر مامور رہا ہو اور بجاتے بجاتے اس پر ایسی وارفتگی طاری ہوئی تھی جیسے وہ نوتر دام یا نوتر دام اس میں پیوست ہوگیا ہو۔ ممکن ہے میں نوترے دام کا کبڑا بن گیا ہوں۔"(۵)

The Hunch Back of Notre- Dame ایک فرانسیسی ناول ہے۔ اس کا ہیرو ایک کبڑا ہے جس نے اپنے آپ کو ایک نوتر ادم یعنی گرجا گھر میں جذب کر دیا ہے اور الگ ہستی نہیں مانتا بالآخر اس کا جسد خاکی اس مٹی میں مل جاتا ہے۔ غور کریں تو ہمیں رشید احمد صدیقی کی ہستی بھی واقعی "Quasimado" جیسی ہی دیکھنے کو ملتی ہے رشید احمد صدیقی بھی "علی گڑھ" کو ہی اپنا سب کچھ مانتے ہیں اس ناول کا ہر کردار، ماحول، اور اسلوب تحریر غرضیکہ ہر پہلو میں رشید احمد صدیقی کے جھلک ملتی ہے ناول کا کبڑا اپنے گرجا گھر کی گھنٹیوں کی آواز کا دیوانہ بالآخر بہرا۔ یہی حال رشید احمد صدیقی کا ہے انھیں علی گڑھ اور اس سے وابستہ لوگوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ بھی اسی میں مست ہیں اور اس ادارے کے علاوہ کسی کی تعریف نہیں کرتے۔ رشید احمد صدیقی کو علی گڑھ سے شدید محبت تھی۔ اس لیے علی گڑھ سے باہر نہ جاتے۔ اگر جاتے تو کام کے ختم ہوتے ہی فوراً لوٹ آتے۔ اسی لیے اپنے بچوں سے بھی دور رہے۔ علی گڑھ سے محبت کے باعث کہا کرتے تھے:

"کہیں ایسا نہ ہو کہ بے وقت مروں، اس سلسلے میں دنیا جہاں کے لطیفے سناتے بس یہی کہتے لوگ یہ نہ کہیں کہ بے وقت مرا، اچھا ساون ہو، یونیورسٹی کھلی ہو، اپنے طالب علم موجود ہوں، احسان ہو اور کمال و نیاز سرہانے ہوں علی گڑھ میں دفن ہو جاؤں کسی کونے میں۔"(۶)

رشید احمد صدیقی نے اپنے آپ کو اسی ناول کا کردار کبڑا عاشق یعنی قاسیمڈو کہا ہے۔ جسے اپنے گرجا گھر کی گھنٹیوں سے عشق ہے وہ اپنے شب و روز انہیں گھنٹیوں کی آوازوں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اور گرجا کی دیواروں میں بسر کرتا ہے۔ بالآخر جپسی کی خوبصورتی پر فدا ہو کر وہیں مر جاتا ہے، کچھ ایسا ہی حال رشید احمد صدیقی کا ہے وہ علی گڑھ کی محبت میں پر جوش یہیں ان کے دن رات بسر ہوئے۔ یہیں انھوں نے موت کی آغوش میں پناہ لی۔ ناول میں جپسی کی کشش، اسے بچانے کی فکر صرف قاسیمڈو کی نہیں۔ رشید احمد صدیقی کی جپسی علی گڑھ کی تعلیم، اردو زبان، اس کی محبت، یہاں کی عمارت، طلبا، اساتذہ، اخلاق و کردار اور تہذیب و تمدن غرضیکہ انھیں ان کو بچانے کی ہر وقت فکر رہتی۔

وکٹر ہیو گو کے اس ناول کو رشید احمد صدیقی کی "آپ بیتی" بھی کہا جاسکتا ہے۔ رشید احمد صدیقی کی زندگی پر اس ناول کی گہری چھاپ ہے جس طرح رشید احمد صدیقی کی زندگی کا محور علی گڑھ ہے اور وہ وہیں دفن ہونا چاہتے تھے اسی طرح قاسیمڈو بھی اپنی ساری بدصورتی اور بدنیتی کے ہمراہ اس میں کھو جانا چاہتا ہے بالآخر اس کے ساتھ مٹی میں ملا دکھائی دیتا ہے پہلے وہ جپسی کے مرتے ہی غائب ہو جاتا ہے وکٹر ہیو گو لکھتا ہے:

> "We have just said that quasimado from Notre- Dame on the day of gypasy,s and of the arcdeacon,s death. He was not seen again, in fact no one rnew what had become of him."(۷)

بالآخر لوگوں کو قاسیمڈو اور جپسی جیسے دو مجسمے بغلگیر ہوئے ملتے ہیں وکٹر بتاتے ہیں:

> "They found among all those hideous carcasses two skeltons, one of which held the other in its embrace. One othese skeltons, which was that of a women, still had a few strips of a garments which had one been white and around her neck was to be seen a string of a drezarach beads with a little silk bag ornamented with green glass, which was open and empty."(۸)

رشید احمد صدیقی کی علی گڑھ سے محبت اور قاسیمڈو کی جپسی کی محبت میں گہری مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ فرانسیسی زبان میں وکٹر ہیو گو کا یہ ناول اپریل ۱۸۶۹ء میں فرانسیسی عنوان L, Homme Quirit کے تحت شائع ہوا یہ انگلینڈ میں ۱۶۶۰ء سے اٹھاہویں صدی کی ملکہ کے دور تک پھیلا ہوا ہے اس میں وکٹر نے انگلستان کی شاعری، حکومت اور اس وقت کی اشرافیہ کو ظالم اور طاقت کے بھوکے کے طور پر دکھایا ہے اس دور میں خواتین کے حوالے سے مشاہداتی انداز قابل غور ہے۔ وہ مغربی معاشرے میں عورت کے مقام اور اس کے حقوق کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے اسے صرف ایک چیز کے طور پر پیش کرتا ہے۔

کہانی کسی بھی صنف ادب میں تحریر کی جائے وہ بنتی اور بڑھتی واقعات سے ہے۔ واقعات کی ترتیب، تسلسل، توازن، اس کی دلچسپی، تجسس اور خوبصورتی کا سبب ہوتے ہیں۔ واقعات کی تخلیق بھی کرداروں سے ممکن ہے یہ کردار ہی ہوتے ہیں جن سے کہانی کے واقعات جنم لیتے ہیں۔ یہ کردار جہاں معاشرے کے اندر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتے ہیں۔ ویسے ہی یہ واقعات ہمارے ساتھ یا دیگر معاشرے کے افراد کے ساتھ ہونے والے واقعات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ایک قابل مصنف واقعات منظر نگاری کے فن سے اس انداز میں پیش کرتا ہے سارا منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ واقعات کی جزئیات اور منظر کشی ایسے کرتا ہے کہ دلکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ پڑھنے والا اس میں کھو جاتا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے بھی واقعہ نگاری میں اس طریقے کو بڑی عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ یہ واقعات ان کی تصنیفات "طنزیات و مضحکات"، "مضامین رشید"، "خنداں"، "ہم نفسان رفتہ" اور "ذاکر صاحب" میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر "خنداں" میں اسٹیشن کا منظر دکھاتے ہیں:

> "وہ اسٹیشن نظر آنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ گنواروں کا ہجوم، نعروں کی صدا، پٹاخوں کو چھوٹنا، غرض گاڑی پلیٹ فارم سے آ گئی۔ معزز مہمان یا ان کے کسی بھائی بند کا نام لے کر مجمع نے نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ جو بچ رہتے تھے انھوں نے مہمان کو ہاتھ لگایا گیندے کے پھولوں کے ہار پہنائے اور اسی کے پھول برسانے لگے۔ کسی نے ہاتھ چومنے شروع کیے۔ کسی نے سجدہ کر لیا۔ کوئی رونے لگا۔ کوئی شعر پڑھنے لگا۔ کسی نے زور سے نعرہ لگایا۔ کسی نے اسٹیشن ماسٹر پر دھول جما دی اور قلی کی پگڑی چھین لی۔ ایک نے چپکے سے مہمان کی جیب کتر لی اسٹیشن سے باہر ہوئے ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ بھی نکل گئے۔ جو اسی موقع کے منتظر تھے۔ جس گاڑی میں کوئی لیڈر قسم کا آدمی سفر کرتا ہے اس میں بغیر ٹکٹ سوار ہو جاتے ہیں اور ریل پیل میں اسٹیشن سے باہر ہو جاتے ہیں۔"(۹)

یہی انداز وکٹر ہیو گو ناول کے آغاز میں "احمقوں کے بادشاہ" کے چناؤ سے کرتا ہے۔ وکٹر ہیو گو نے بڑی تفصیل سے جشن اور ماحول کا نقشہ کھینچا ہے لکھتے ہیں:

"The sixth of January, 1482, a, day of which History has preserved the memory, There was noth notable in the event which thus set the bells and bourgeo is of Paris in a forment, form early morning. It was neither an assault by the Picards nor the Burgundians nor a hunt led along in Pricession, nor a revolt of scholars in the town of lass nor an entry of "our much dread lord, monsieur the king, "nor even a pretty hanging of male and female thieves by courts of Paris....... What put the "whole population of Paris in commotion;, as Jehan de Troyes expressess it, on the sixth of January, was the double solemnity, united from Time immemorial, of the Epiphany and the feast of Fools. On that day, there was to be a bonefire on the place de Greve, a maypole at the chapelle de Braque, and a mystery at the palais de justice. It had been cried, to the sound of the Trumpet, the Preceding evening at all the cross roads, by the provost,s men, clad in handsome, short, sleeveless coats of violet caelot, with large white crosses upon their breasts. So the crowed of citizens male and female, having closed their houses and shopes, thronged from every direction, at early morn, towards some on of the three spots designated."[۱۰]

رشید احمد صدیقی نے معاشرے کے ہر طبقے پر طنز کیا ہے۔ یہ طنز کوئی کاٹ دار نہیں بلکہ اصلاح معاشرہ کے لیے ہے۔ انھوں نے نہایت دلیری اور جرات مندی سے حقیقت کا رخ دکھایا ہے یہ رخ دکھانے کا انداز انتہائی خوب صورت اور ہنسانے والا ہے۔ مضامین رشید میں حکومت اور اس کی پالیسیوں کے حوالے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ (ارھر کا کھیت) دیہاتیوں کی اسمبلی ہے جہاں عورتوں اور بچوں کو گاؤں کی انتظامی حکومت میں اتنا دخل ہوتا ہے جتنا ہندوستانی پارلیمنٹ میں اراکین پارلیمنٹ کو، دونوں بولتے ہیں ضد کرتے ہیں۔ جھگڑتے ہیں، روتے ہیں ااور اپنے گھر کا راستہ لیتے ہیں۔“[۱۱]

جزئیات نگاری میں رشید احمد صدیقی کو کمال حاصل ہے ہر شے کی تفصیل اتنی مہارت سے بیان کرتے ہیں کہ وہ منظر آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:

”لیکن جب تک کچھ خیر، خیرات نہ کیجئے گا حضرت کی خوشنودی کیوں کر حاصل ہو گی۔ کیا خوب سود انقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ دبی زبان سے عرض کیا جناب یہ مزار شریف ہے یا امپیریل بنک۔ پاسبان نے کچھ اس طرح گھور کر دیکھا کہ مارے خوف کے دل سینے میں اور چونی جیب میں لرزنے لگی۔ چونی دربان کی خدمت میں پیش کی اور اہے وائے کہتا ہوا چار سورماؤں کی حفاظت یا حراست میں آگے بڑھا ایک مقام پر طائفہ کھڑا ہو گیا۔ حکم ہوا۔ حضرت نے یہاں وضو کیا تھا۔ اکنی رکھ دو۔ اکنی کے ساتھ ایک بزرگ بھی تخفیف میں آگئے۔ دوسری منزل پر بتایا گیا۔ کہ حضرت نے یہاں چلہ کاٹا تھا۔ آٹھ آنے نذر کے پیش کرو۔ وہ بھی پیش کر دیئے ایک صاحب اور کم ہوئے۔ ایک مقام پر پہنچے ارشاد ہوا۔ بارہ رکھ دو۔ حضور نے یہاں دعا مانگی ہو گی کہ خدا مسلمانوں کو جملہ آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ میں نے کہا اہے وائے، وہ دعا کب قبول ہوئی کہ میں بھی مانگوں۔ اس پر دوست بہت برہم ہوئے اور کچھ تعجب نہ ہوتا اگر نقص امن کی نوبت آجاتی میں نے مطلوبہ رقم ان کے ہاتھ پر رکھ دی جس کا کرشمہ یہ تھا کہ ان کا ولولہء جہاد، مزاج شریف اور دعائے لطیف پر ختم ہو گیا۔“[۱۲]

رشید احمد صدیقی کا یہ تفصیلی انداز بھی وکٹر ہیو گو سے ملتا ہے۔ واقعہ کی جزئیات اس کے ہاں بھی اس طرح بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً جب گرینگور بھوک پیاس سے نڈھال ٹھٹھرتا ہانپتا گلی میں پہنچتا ہے تو اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے:

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"He walked on alone toward the saddest corner of the city. Fires blazing here and there lit the walls of crumbling houses, Homeless people huddled together to keep warm. The poor swarmed around Gingoire like flies.
"Money"! they cried out " but I have nothing!" Gringoire explained. "I have only a poet". The Beggars refused to take no for an answer finally, one of them said " let,s take him to king clopin!"
Three of the beggars gravved Gringoire and dragged him away. They went into the court of Miracles Tavern------the home of paris,s thieves, beggars and out casts. A great fire burned upon a lazer, round hearth. Tables were placed here and there at random. Near the fire, sitting on a broken barrel, was the same beggar who had disrupted the play that afternoon! the Beggar was in fact Clopin king of the outcasts. He watched as Gringoire was hauled before him. "who have we here?" he asked in booming voice. I am a poet Gringoire stammered. "My play was performed today in the great hall of the palace"
clopin sneered. "Oh really? well I was there, too. All teh more reason to hang you! that play was very annoying"..."we won't hang you if you become one of us. prove yourself as a pickpocket, and we will let you live.
Clopin pointed to a kind of scarecrow hanging above a three-legged stool. The finger wore a red suit covered with small bells. stand on the stool" clopin commanded" take the wallet from the scarecrows pocket. the bells don't clatter, you can go"
Gringoire was nervous" But what if a gust of wind comes along? he asked. that's easy-you, ll be hanged!"
Gringoire climbed up on the stool and reached out his arm. But just as he touched the scare crow, he alst his balance. the sounds of a hundred bells filled the aire. "Hang him" Clopin Cried out"(۱۳)

رشید احمد صدیقی نے کرداروں کے ذریعے کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔ مزاح نگاری کے دیگر حربوں کے مقابلے میں انھوں نے مضحک کردار پیش کر کے ظرافت پیدا کی ہے۔ انھوں نے ایسے کردار متعارف کروائے ہیں جو انفرادی نہیں بلکہ ایک ایک کردار معاشرے کے ہر طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

”رشید صاحب کا مزاح نگاری کا فن کرداروں کے پیش کرنے میں بڑی آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے وہ ہمیشہ اس کے نئے نئے نمونے پیش کرتے ہیں جو جماعتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ انھوں کے مخصوص افراد کی کمزوریوں کا خاکہ نہ اڑایا ہو۔ ان کے نگار خانے میں بعض تصویریں بڑی دلچسپ نظر آتی ہیں۔ ایسے مطالعے بہت قریب کے مشاہدے کا نتیجہ ہوتے ہیں اور ان کا تمسخر جس انداز میں اڑایا جاتا ہے اس کی وجہ سے وہ ہمارے حافظے میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔“(۱۴)

رشید احمد صدیقی کے بعض کردار ایسے بھی ہیں؛ جن کے واضح نام نہیں لیکن کسی طبقے یا گروہ کے نمائندہ کردار ہیں۔ ان کا معاشرے میں خاص حصہ ہے۔ ان میں مولوی، وکیل اور لیڈر خاص طور پر نمایاں ہیں۔ رشید احمد صدیقی نے ان کرداروں کی تصویر ایسی کھینچی ہے کہ پورا گروہ ہماری نگاہوں کے سامنے آگیا ہے۔ ان کی ناکامیوں، کمزوریوں، خوش فہمیوں اور غلط فہمیوں کے ساتھ ہم ہنستے چلے جاتے ہیں۔ کرداروں کی ایسی ہی بڑی تعداد ہمیں وکٹر ہیوگو کے ہاں نظر آتی ہے جہاں وہ معاشرے کے مختلف طبقوں کے افراد پر طنز کرتے ہیں۔

ظاہر پرستی اور مذہبی شدت پسندی ہمیشہ سے ہمارے ادب کے نمائندہ موضوعات رہے کیونکہ مذہب ایک جذباتی اور روحانی معاملہ ہے اس لیے افراد زمانہ کو اس کے حوالے سے مشتعل کرنا اور منفی استعمال کرنا نہ صرف لیڈروں کی محبوب مشغلہ ہے بلکہ عام افراد میں یہی تاثر نظر آتا ہے۔
وکٹر ہیوگو کے ناول میں بھی ہمیں ایسی صورت حال دکھائی دیتی ہے پادری فرد لو عوام کے سامنے تو مذہب کی مثال ہے ایک پرہیز گار آدمی کا روپ اختیار کرتا ہے مگر جپسی کو دیکھ کر اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور برائی کا مرتکب ہوتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"Just as the fell into a faint, she thought she felt a kiss. but what a strange kiss it was! I felt like a hot iron burning her lips, when the gypsy girl came to her senses.............the window was wide open and priest was gone."(۱۵)

فوبیس کو قتل کرنے کے بعد پادری فرویو وہاں سے فرار ہو گیا۔ جپسی کو کپتان کے قتل کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ یہ سب پادری نے جپسی کو پانے کے لیے کیا مگر جپسی اس سے شدید نفرت کرتی تھی لوگوں کے سامنے مذہب کا یہ دیوتا ہے مگر ان کی نظروں سے اوجھل اس پر شیطانیت کا غلبہ طاری ہے قید کے دنوں کی صورت حال یہ بات واضح کرتی ہے مثلاً

"Who are you? She asked "A priest" was the simple answer. The sound of that familiar voice. Made her tremble. She know immediately that her visitor was claude frollo said." then I saw you wearing that pretty dress as you danced in the square. The sound of your singing entrance me since then, I cannot get you out of my mind. I have tried to study, but your beauty hanunts my thoughts. Yes I love you? one night, I tried to kidnap you. Do you remember? Please have pity on me! Return my love now and I will see that you go free! Save yourself, and end my suffering!"(۱۶)

رشید احمد صدیقی کے ہاں کرداروں کا انبوہ ہے یہ کردار شیکسپیئر کے کرداروں کے مانند سینکڑوں ہیں۔ شیخ نیازی کا حلیہ یوں بیان کرتے ہیں:

"شیخ کی شکل و صورت بھی دیکھنے کے لائق ہے تربوز جیسا سر، ہونٹ موٹے موٹے جیسے روٹی کے حاشیے، ناک چھوٹی، گاجر کی مانند۔ دہانہ ایسا کہ مسکرائیں بھی تو باچھیں کانوں کی لو تک پہنچ جائیں اور رونے میں اسے کھول دیں تو خاصا بڑا ٹماٹر منہ میں آجائے۔ آواز ایسی پاٹ دار کہ ایک نعرہ میں پاس پڑوس کے سارے شیخ شودر ہی نہیں چرند پرند تک چونک پڑیں اور ادھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ لمبے کم چوڑے زیادہ۔"(۱۷)

رشید احمد صدیقی اپنے استاد محترم کا حلیہ یوں بیان کرتے ہیں:

"پاپا پرویز سب سے نرالے تھے چوڑی چکلی ہڈی، لمبا تڑنگا قد اور پاٹدار آواز تقریباً سن رسیدہ ہمہ وقت شراب میں سرشار۔"(۱۸)

کردار نگاری میں جہاں کردار کا تعارف ہی قاری کو ہنسنے پر مجبور کر دیتا ہے اور ترحم کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اس میں بھی رشید احمد صدیقی کی کہانیوں کے کردار اپنی مثال آپ ہیں۔

ڈاکٹر "خنداں" کا نقشہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

"خنداں پستہ قامت، سبک خرام، کم سخن، کم آمیز گندم گون، ستم رسیدہ، خزاں دیدہ، نکتہ سنج، شاعر، ڈاکٹر سب کچھ ہیں اور ان کے تمام معالجات میں کمال رکھتے ہیں جو مسلمانوں اور مفلسوں میں عام ہیں جیب میں شیشیاں، بغل میں بوتل، ہاتھ میں آلات جراحی، پیٹ میں درد، سر میں سودا اور زبان پر اشعار، ڈاکٹر خنداں مرض بھی ہیں مریض بھی پھر ان کا ڈاکٹر ہونا محل تعجب کیا خود فرماتے ہیں کہ زندگی کا مقصد صرف مریضوں کو دوا اور حسینوں کو دعا دینا ہے۔"(۱۹)

وکٹر ہیوگو کے ناول کبڑا کا تعارف اور سوچ خصوصاً حسن پرستی" جپسی کو پسند کرنا اس کی کشش ہونا بالکل رشید احمد صدیقی کی تحریر اور خیالات سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ناول کے کردار کا تعارف ملاحظہ ہو:

"Tetrahdral nose, that horseshoe mouth: that little left eye obstructed with a red, bushy, bristling eyebrow, while the right eye disappeared entirely beneath an enormous wart: of those teeth in disarray, broken here and there, like the embattled parapet of fortress: of that calous lip, uon which one othese theeth encroached, like the tusk of an elephant, of that forked chine, and above all, of the expression spread over the whole; of that mixture of malice, amazement, and sadness."(۲۰)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

رشید احمد صدیقی کے مضامین کے کردار، شیخ پیرو کا حلیہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے مثلاً:

"مشکل یہ تھی کہ پیرو آدمی مرنجان مرنج تھے لیکن شکل سے بڑے خونخوار معلوم ہوتے تھے۔ کالے موٹے، سرخ آنکھیں، گنجان داڑھی کسی قدر سرخی مائل، آواز ڈراونی، بڑے مضبوط جیسے کوئی نیم سوختہ تناور ببول۔"(۲۱)

وکٹر ہیوگو نے اپنے ناولوں میں شاعری سے بھی کام لیا ہے مثال کے طور پر جپسی کا گیت گانا:

"Uncofre de gran riqueza
Hallaron dentro unpilar,
dentro dell, nuevas banderas
configuras de espantar"
A Coffer of great richness
in the pillar,s heart they found
with in it lay new banners
with figures to astound"(۲۲)

رشید احمد صدیقی کے مشہور کردار "خنداں" کی شاعری دیکھیے:

غیر اور اس سے پیار کی باتیں — دیکھنا اس چمار کی باتیں
پھر سنا اور مجھے سنا تارہ — میرے قاصد نگار کی باتیں
آخرش کام کر گئی خنداں — بھولی بھالی نگاہ کی باتیں
نوجوانی میں حضرت واعظ — ہم سے روز شمار کی باتیں (۲۳)

تحریف یا نقالی؛ اسلوب، طرز تحریر، طرز زندگی غرضیکہ کسی بھی شے کی ہو سکتی ہے۔ اس تعریف کی روشنی میں جب ہم رشید احمد صدیقی کی تحریروں یا طرز زندگی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کا انداز فکر اور طرز زندگی دونوں پر فرانسیسی ناول نگار وکٹر ہیوگو کے ناول The Hunch Back of Notre-dame کی پیروڈی کا احساس ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وکٹر ہیوگو کے ناول اور اس کے کردار قاسمیڈو کی زندگی ہی رشید احمد صدیقی کے گرد حقیقی طور پر گھومتی ہے رشید احمد صدیقی نے بھی یہی کہا ہے ڈاکٹر فصیح الدین "عزیزان علی گڑھ" میں کہتے ہیں:

"قبلہ نے اپنے آپ کو کہیں "علی گڑھ کا دیوانہ" کہیں "ناترے ڈیم" کے گرجے کے گھنٹہ بجانے والا "کبڑا" اور کہیں "بوڑھا مغنی" کہا ہے۔"(۲۴)

وکٹر ہیوگو کے کردار قاسمیڈو کو دیکھیں تو اس کا بھاگنا، گرجا گر کی گھنٹیاں بجانا، نوترے ڈیم کا خیال رکھنا ہمیں بالکل رشید احمد صدیقی کا بھاگنا علی گڑھ کا خیال رکھنا اس کی عزت کی پرواہ کرنا، ایک جیسا محسوس ہوتا ہے۔ واقعہ نگاری / کردار نگار کے ضمن میں میں نے اس پہلو کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے اس ناول کے طرز تحریر کی بھی تحریف کی ہے۔ وکٹر ہیوگو نے اپنے ملک کے ماحول، جشن، لوگوں کے رویوں، مولویوں کا انصاف کی صورت حال بتائی ہے۔ یہی سب ہمیں رشید احمد صدیقی کے ہاں تفصیل سے ملتا ہے بلکہ کہیں کہیں الگ الگ مضامین کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مضامین ایک پیروڈی بھی ہیں۔ جہاں انھوں نے فکر اور اسلوب کی تحریف کی ہے۔ مزید ان کی اپنی آپ بیتی اسی ذیل میں آتی ہے۔ جس پر وکٹر ہیوگو کے ناول اور طرز تحریر کی گہری چھاپ نمایاں ہے۔

رشید احمد صدیقی کا مجموعہ "خنداں" بھی دراصل وکٹر ہیوگو کے ناول The Man Who Laughs کے طرز پر تحریر کیا ہوا ہے اس میں بھی اسی طرح کہانیاں اور ان کے ایسے ہی موضوعات ہیں۔ خود انھوں نے مضمون خنداں میں اظہار کیا ہے لکھتے ہیں:

"وکٹر ہیوگو نے اپنا مشہور افسانہ "لافنگ مین (Laughing Man) اگر اس صدی میں تصنیف کیا ہوتا تو ہمارے ڈاکٹر خنداں یقیناً اس کے ہیرو ہوتے۔"(۲۵)

یہاں رشید احمد صدیقی نے ذکر "لافنگ مین" کا کیا ہے جبکہ ایسا کردار urses کا ہے۔ لافنگ مین کا کردار تو صرف ہنسنے والا جسے شکل کی حد تک کہانی میں تبدیل کیا گیا ہے۔
رشید احمد صدیقی نے یہاں کردار، اسلوب، زبان غرضیکہ ہر طرح کی پیروڈی کی ہے۔ رشید احمد صدیقی کے کردار کے خاندان کا تعارف ملاحظہ ہو:

وکٹر ہیوگو Urses کا تعارف دیکھیے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"As a doctor, urses wroght cures by some means or other. He made use of aromatics. He was versed is simples, he made the most of the immense power which lies in a heap of neglected plants, such as the hazel, the catkin, the white alder, the white ryony, the mealy-tree, the traveller's joy, the buckthorn. He treated phthisis with the sundew, at opportune movements he would use the leaves of the spurge, which plucked at the bottom are purgatie and plucked at the top, an enetic, He cured soar by means of the vegetable excerscence called jew, ear. He know the ruch which cures the ox and the mint which cures the horse. He was well acquinted with the beauties and vitues."(۲۶)

خنداں شاعر بھی ہیں، ڈاکٹر بھی یہ بتانا دشوار ہے کہ ان کی شاعری بلائے جان ہے یا ڈاکٹر، غالب نے مہ رخوں کے لیے مصوری سیکھی جس کے پیچھے ان کو آخر میں اعتراف کرنا پڑا یہ حال Ursus کا بھی ہے وہ شاعر بھی، فلاسفر بھی اور ناٹک میں حصہ لینے والا بھی ہے۔ اسی لیے شاعری بھی کرتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ زندگی کا مقصد صرف مریضوں کو دوا اور حسینوں کو دعا دینا ہے۔ Ursus بھی ڈیا کی محبت میں گرفتار ہے اس لیے شاعری بھی لکھتا ہے:

یہ کہنا تو ان سے اے قاصد کہ کالج میں تو چھٹی ہے
چلے آؤ کہ خنداں آج کل بالکل اکیلا ہے(۲۷)

یہی انداز ہمیں وکٹر ہیوگو اور شیکسپیئر کے ہاں بھی ملتا ہے جنھوں نے شاعری کا بے پناہ استعمال کیا ہے مثلاً The Man who laughs میں وکٹر ہیوگو اپنی کہانی کے کردار Dia سے یہ گانا سنتا ہے۔

She sang:
Noch, quita to de alli,
El-alba canta....
Depart, night!
Sing the dawn(۲۸)

ایک اور جگہ دیکھیں:

And again:
Es menestera cidlos ir.......
Dexa, quiers,
A tu negro,
Caparazon,
"We must go to heaven,.
Take off, I entreat thee,
thy black cloak(۲۹)

رشید احمد صدیقی اپنی کہانیوں میں دوسروں کے حوالے دینے سے نہ گھبراتے ہیں نہ چھپاتے ہیں بلکہ حوالہ نام لے کر بتاتے ہیں یہ انداز بھی وکٹر ہیوگو سے ہی اپنایا گیا ہے۔ مثلاً Gwynplaine کے مزاحیہ کردار کا حوالے دے کا بتاتا ہے:

Damnum Confitnes, said
the sergeant, habeat le mldefeoh"

ایک اور جگہ دیکھیں:

"Judiciumprofrodmortell, quodhomines credendisintper suum yeatpersumna."(۳۰)

رشید احمد صدیقی مغرب کی نقالی کی بات نہیں کرتے نہ ہی ان کی تحریروں پر اثرات کے حوالے سے یہ سمجھنا چاہیے کہ انھوں نے صرف ان کے تتبع میں ہی لکھا بلکہ وہ اس امر کو تسلیم کر رہے ہیں کہ ہمیں اہل مغرب سے حکمت و دانش کے موتی حاصل کرنے چاہیے کیونکہ ہمارا مذہب اس کی تلقین کرتا ہے ہم میں اور رشید احمد صدیقی میں فرق صرف یہ

ہے کہ وہ جب کہیں سے اخذ و استفادہ کرتے ہیں تو اسے واضح طور پر بیان کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی جھجک یا شرم و حجاب محسوس نہیں کرتے بلکہ گاہے بگاہے مغربی ادب سے استفادہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں لکھتے ہیں:

"مغرب میں تمام دوسری سرگرمیوں کی طرح شعر و ادب کی دنیا میں بھی بے شمار تبدیلیاں اور تحریکیں راہ پا چکی ہیں تخلیق اور تنقید کے بھی طرح طرح کے نمونے سامنے آئے ہیں اور برابر آتے رہتے ہیں اس لیے ان کی تخلیق اور تنقید دونوں کی سطح ہمارے یہاں کی تخلیق و تنقید سے بہت بلند ہے اکثر مختلف بھی، اور اس میں شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں غلطی ہم صرف اتنی کرتے ہیں کہ ان نہایت درجہ تخصیصی اصول تنقید کو جو ان کی اسی معیار کی تخصیصی تخلیق سے متعلق ہوتے ہیں ہم اپنے یہاں کی تخلیقات پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اکثر اس پائے کی نہیں ہوتی یا سرے سے مفقود ہوتی ہیں یہ تجربہ ناکامیاب ہی نہیں اکثر مضحکہ خیز معلوم ہونے لگتا ہے۔ تنقید، مسلسل تنقید، ہر طرح کی تنقید ہمارے لکھنے والوں کا ایسا رجان بن گیا ہے کہ اس پر وہ مثل صادق آتی ہے جو یورپ کی عورتوں میں بہت مقبول ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔ تورانی میں رانی کون بھرے گاگھر کا پانی۔" (۳۱)

رشید احمد صدیقی کے فن کے حوالے سے مغربی ادب کے اثرات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کی تحریروں میں اثر پذیری کے بڑے واضح ثبوت ملتے ہیں انھوں نے خود اس کا اعتراف کیا ہے یہ اثرات مغربی ادب سے اس طرح لیے گئے ہیں۔ کہ ماحول اور معاشرہ، کردار اور الفاظ و زبان مذہب و معاشرت انھوں نے اپنی رکھی۔ اپنی زبان کو نئے انداز و اطوار کے ساتھ نئے ذائقے سے ہم آہنگ کیا ہے۔ بالخصوص کرداروں کا ایک عالمی تصور بھی مہیا کر دیا ہے۔

حوالہ جات

1. فاخر حسین:"فرانسیسی ادب کے آثار"نگارشات،لاہور،۱۹۹۱ء،ص۱۹
2. ڈاکٹر یوسف حسین خاں:"اردو ادب پر فرانسیسی ادب کے اثرات"انجمن ترقی اردو، علی گڑھ،۱۹۹۲ء،ص۵۵۸-۵۵۹
3. ایضاً،ص۵۵۹
4. محمد حسن عسکری:"وقت کی راگنی"حسین،لاہور،بار اول۱۹۷۹ء،ص۵۷
5. رشید احمد صدیقی:"آپ بیتی"ص۵۹-۶۰
6. رشید احمد صدیقی:"عزیزان علی گڑھ"مرتب ڈاکٹر فصیح احمد صدیقی،لطیف الزماں خاں،بیکن ہاؤس ملتان،۱۹۹۰ء،ص۱۷
7. Victor Hugo: "The Hunch Back of Notre-Dame" The F.M.Luption Publications, 1892, P.917
8. Ibid, P.917
9. رشید احمد صدیقی:"خنداں"ص۱۳۷
10. Victor Hugo: "The Hunch Back of Notre-Dame" P.6
11. رشید احمد صدیقی:"مضامین رشید"ص۱۶۱
12. ایضاً،ص ۷۳
13. Victor Hugo: "The Hunch Back of Notre-Dame" P. 45
14. اسلوب احمد انصاری:مضمون مشمولہ"رشید احمد صدیقی کردار،افکار،گفتار"مرتب مالک رام،ص۱۳
15. Victor Hugo: "The Hunch Back of Notre-Dame" P.43
16. Ibid
17. رشید احمد صدیقی:"شیخ نیازی"،مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ،۱۹۵۴ء،ص۲
18. رشید احمد صدیقی:"آپ بیتی"ص۱۲۱
19. رشید احمد صدیقی:"خنداں"ص۹۰
20. Victor Hugo: "The Hunch Back of Notre-Dame" P.45
21. رشید احمد صدیقی:"خنداں"ص99
22. Victor Hugo: "The Hunch Back of Notre-Dame" P.106
23. رشید احمد صدیقی:"خنداں"ص۱۱۳
24. رشید احمد صدیقی:"عزیزان علی گڑھ"ص۱۷
25. رشید احمد صدیقی:"آپ بیتی"ص۵۹
26. Victor Hugo: "The Man who laughs" Boston University Press, 1890, Volume 2, P.191
27. رشید احمد صدیقی:"خنداں"مرتب سید معین الرحمن،ص۱۱۲
28. Victor Hugo: "The Man who laughs" P.191
29. Ibid, P.132
30. Ibid, P.425
31. رشید احمد صدیقی:"جدید اردو غزل"مرتب سید معین الرحمن،ص۸۸۱